(۲۷)۔ بابِ توبہ وامید وخوف

تمہیں ہر گناہ سے، وہ چھوٹا ہو یا بڑا، ظاہری ہو یا باطنی، توبہ کرنی چاہیے۔ توبہ اللہ کی راہ کی جانب پہلا قدم اور دوسرے سبھی مقامات کی بنیاد ہے کیونکہ 'اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے توبہ چاہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (۲۴:۳۱)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں'۔

یاد رکھو، توبہ تب تک صحیح (لائقِ اعتبار) نہیں ہوتی جب تک انسان گناہ کو ترک نہیں کر دیتا، اپنے کیے پر شرمندہ نہیں ہوتا اور اسے پھر سے نہ کرنے کا عزم نہیں کر لیتا۔ سچی توبہ کرنے والے کی پہچان یہ ہے کہ توبہ کرنے والے کا دل نرم ہو جاتا ہے، وہ کثرت سے روتا ہے، دینی احکامات کا پابند ہو جاتا ہے اور بُرے لوگوں اور بُری جگہوں سے دُور رہتا ہے۔

گناہ پر اصرار یعنی اس کے ارتکاب پر فوری توبہ نہ کرنے سے خبردار رہو۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ چھوٹے بڑے ہر گناہ سے خود کو یوں بچائے جیسے وہ خود کو بھڑکتی آگ، غرق کر دینے والے پانی اور جان لیوا زہر سے بچاتا ہے۔ اسے نہ گناہ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے اور نہ ہی اس راستے کی طرف جانے کا ارادہ کرنا چاہیے۔ نہ گناہ کا پہلے سے ذکر کرنا چاہیے اور نہ ہی ارتکاب کے بعد اس پر خوش ہونا چاہیے۔ اگر (خدانخواستہ) وہ کوئی گناہ کر بیٹھے تو اسے چاہیے کہ اس کی تشہیر نہ کرے، گناہ سے نفرت محسوس کرے اور جتنی جلدی ہو سکے اس سے توبہ کرے۔

تمہیں کثرت سے توبہ کرنی چاہیے کیونکہ دنیا میں گناہوں کی کثرت ہے اور بندہ خواہ کتنا بھی صاحبِ مقام واستقامت ہو، کتنا ہی اطاعت گزار ہو، وہ ظاہری اور باطنی خطاؤں سے مبرّا نہیں۔ تمہارے لیے شائد یہ جان لینا ہی کافی ہو کہ

رسول اللہ (ﷺ) اپنی کمال پاکیزگی کے باوصف اللہ کے حضور توبہ کیا کرتے تھے اور دن میں ستّر بار استغفار طلب کیا کرتے تھے۔

تم بھی زیادہ سے زیادہ توبہ استغفار کیا کرو اور دن رات کیا کرو خاص کر رات کے آخری پہر میں۔ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''اللہ تعالیٰ استغفار کرنے والے کی پریشانیاں دُور کر دیتا ہے، اُس کی مشکلیں آسان کر دیتا ہے اور اسے بے حساب رزق عطا کرتا ہے''۔ چناں چہ یہ دعا کثرت سے کیا کرو:

ربِّ اِغفِر لِی وَتُب عَلَیَّ اِنکَ أنتَ اَلتَّوَّاب اَلرَحِیم

ترجمہ: اے اللہ، میری مغفرت کر، میری توبہ قبول کر، بے شک تو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس دعا کی فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگالو کہ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کو ایک ہی مجلس میں تقریباً ایک سو مرتبہ یہ دعا پڑھتے سُنا کرتے تھے۔

حضرت ذوالنونؑ (حضرت یونسؑ) کی اس مقبول دعا کو بھی اپنے معمولات کا حصّہ بنالو:

لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

ترجمہ: کوئی معبود نہیں سوا تیرے، پاکی ہے تجھ کو، بیشک مجھ سے بے جا ہوا۔ (۲۱:۸۷)

وارِد ہُوا ہے کہ اس دعا میں چوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا اسمِ ذات اور اسمِ اعظم ''اللہ'' شامل ہے اِس لیے جو غم زدہ یا دُکھی یہ دعا کرتا ہے اللہ پاک ضرور اسے غموں سے نجات دے کر خوشیاں عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ: تو ہم نے اس کی پکار سن لی اور اسے غم سے نجات بخشی اور ایسی ہی نجات دیں گے مسلمانوں کو۔ (۲۱:۸۸)

اللہ سبحانہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے کے ساتھ ساتھ دل میں امید اور ڈر کی کیفیات کو بھی زندہ رکھو کیونکہ یہ یقین کے دو انتہائی اعلیٰ ثمرات ہیں اور اللہ نے اپنے مقربین کو ان اوصاف سے نوازا ہے۔ اس سب سچوں سے زیادہ سچے (اللہ) کا فرمان ہے:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۚ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا

ترجمہ: وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے۔(۱۷:۵۷)

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں اپنے بندے کے ساتھ اس گمان کے مطابق ہوتا ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے سو اب وہ جیسا گمان چاہے رکھے''۔

اور ایک دوسری حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

'اپنی عزت اور جلال کی قسم میں اپنے بندے کے لئے دو اطمینان اور دو خوف ایک ساتھ جمع نہیں کروں گا۔ اگر وہ دنیا میں میرے حوالے سے بے فکر رہا تو میں اسے اس دن (روزِ قیامت) خوف میں مبتلا کر دوں گا جس دن میں اپنے بندوں کو جمع کروں گا یعنی روزِ قیامت اور اگر وہ مجھ سے ڈرتا رہا تو میں اسے اس دن اطمینان اور بے فکری عطا کروں گا جس دن میں اپنے بندوں کو جمع کروں گا یعنی روزِ قیامت'۔

امید و رجا کی اساس دل کی اس معرفت پر ہے کہ اللہ کی رحمت و کرم کی کوئی حد نہیں، اس کا فضل عظیم ہے، اس کی عطا

بے انتہا ہے اور اپنے اطاعت گزاروں کے لیے اس کا کریم وعدہ موجود ہے۔ قلب کی یہ معرفت جس فرحت اور اطمینان کی کیفیت کو جنم دیتی ہے اسے ''اُمید'' کہتے ہیں۔

اس سے مقصود دراصل یہ ہے کہ امید کا سہارا لے کر مومن بھلائی کے کاموں کی انجام دہی میں جلدی کرنے لگے اور اطاعت گزاری میں ہمہ تن مصروف ہو جائے کیونکہ اطاعت ہی اللہ کی رضا اور اس کی جنت پانے کا وسیلہ ہے۔

اور جہاں تک خوف کا تعلق ہے تو اس کی اصل دل کی اس آگاہی پر استوار ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ جلال ہے، وہ قاہر بھی ہے، وہ تمام مخلوق سے مستغنی ہے، اس کی پکڑ شدید ہے اور اس کا عذاب دردناک۔ یہ وہ پکڑ اور عذاب ہے جن سے وہ گناہ گاروں اور اپنی حکم عدولی کرنے والوں کو ڈراتا ہے۔ اس علم اور آگہی سے انسان کے اندر جو کیفیت جنم لیتی ہے اسے ''خوف'' کہتے ہیں۔ خوف کا منشا و مقصد یہ ہے کہ انسان گناہ ترک کر دے اور خود کو ان سے بچائے رکھے کیونکہ گناہ کا راستہ اللہ کے عذاب اور سزا کی طرف لے جاتا ہے۔

ایسی امید یا ایسا خوف جو احکاماتِ الٰہی سے مطابقت اور ترکِ گناہ پر مائل نہیں کرتا اہلِ بصیرت کے نزدیک محض دھوکا اور فریب ہے کیونکہ اگر کوئی کسی شے کی امید کرتا ہے تو وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اگر وہ کسی شے سے خوف زدہ ہوتا ہے تو لازماً اس سے دور بھاگتا ہے۔

جان رکھو کہ اس لحاظ سے انسان تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلے وہ جو اللہ کی نیابت پا لیتے ہیں، وہ قربِ الٰہی میں اطمینان پاتے ہیں، قربِ الٰہی کے انوار سے بُری خواہشوں کی تاریکی ان سے چھٹ چکی ہوتی ہے۔ انہیں بس مناجات میں لذت ملتی ہے اور اسی کے ساتھ معاملہ کرنے میں انہیں راحت ملتی ہے۔ ان کی امید ورجا شوق و محبت میں ڈھل چکے ہوتے ہیں اور خوف اور ڈر تعظیم و ہیبت کی صورت اختیار کر چکے ہوتے ہیں۔

دوسرے وہ جو سمجھتے ہیں کہ وہ احکاماتِ الٰہی کی خلاف ورزی کے ارتکاب سے آزاد نہیں اور ممنوعہ امور میں مبتلا ہو جانے کا امکان بھی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں امید اور خوف دونوں کا ایک پرندے کے پروں کی طرح برابر ہونا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیثِ پاک ہے کہ اگر مومن میں خوف اور امید کا وزن کیا جائے تو وہ دونوں برابر یعنی ہم وزن ہوں گی۔ زیادہ تر مومنوں کی یہی حالت ہے۔

تیسرے وہ جن پر تذبذب اور غفلت کا غلبہ ہوتا ہے۔ ان کے لیے ہمہ وقت ڈر کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ گناہوں کے ارتکاب سے بچتے رہیں۔ موت کا وقت قریب آنے تک ان کی یہی کیفیت رہنی چاہیے کہ وہ اللہ سے ڈرتے رہیں، ہاں موت کے وقت ان میں رجائیت ہونی چاہیے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کسی کو موت نہیں آنی چاہیے مگر اس حال میں تم اللہ کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہو''۔

ایک بات کا دھیان رکھو کہ جب تم عام لوگوں سے امید کو تذکرہ کرو توبات کو مشروط امید تک محدود رکھو یعنی پُرکشش وعدوں اور کثیر انعامات کا ذکر ضرور کرو مگر انہیں یہ بھی باور کراؤ کہ یہ سب انسان کو نیک کام کرنے اور گناہوں سے بچنے کے باعث ہی ملیں گے۔ ان سے رجائے مطلق یا امیدِ قطعی کے بارے میں بات کرنے سے خبردار رہو۔ مطلب یہ کہ انہیں ایسے حوالے دینے میں محتاط رہو جیسے: ''بندہ کا کام خطائیں کرنا ہے اور رب کا کام معاف کرنا ہے''، یا ''گناہ نہ ہوتے تو اللہ کی عفو و حلم کی صفات کا ظہور کیونکر ہوتا!'' یا پھر: ''اگلے پچھلے سب انسانوں کے گناہوں کی حیثیت رحمتِ الٰہی کے سمندر کی بے کراں وسعت کے سامنے ایک قطرے سے زیادہ نہیں'' اور اسی طرح کی دیگر باتیں۔ یہ سب باتیں ہیں تو سچ مگر عام آدمی کے لئے مضر بھی ہو سکتی ہیں کہ ان کو سُن کر وہ خطاوں کی طرف مائل ہو سکتا ہے اور تم اس

کا سبب بن سکتے ہو۔ ہر سچ کا اظہار (ہر کہیں) ضروری نہیں۔ سچ کو سمجھنے کا انحصار انسان کی (قلبی، روحانی اور ذہنی) سطح پر ہوتا ہے مطلب سمجھنے کے لحاظ سے بھی اور اس کے اثر کے اعتبار سے بھی۔

اللہ کی رحمت سے مایوسی اور اللہ کی تدبیر سے مامون ہونے کے خیالات سے بھی خبردار رہو کیونکہ یہ دونوں گناہِ کبیرہ ہیں۔ قرآن پاک میں آتا ہے:

وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ

ترجمہ: اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہو مگر گمراہ ہُوئے۔ (۱۵:۵۶)

اللہ کے پاک کلام میں یہ بھی مذکور ہے:

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ

ترجمہ: تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔ (۷:۹۹)

مایوسی (قنوطیت) سے مراد یہ ہے کہ انسان میں اتنا خوف در آئے کہ امید کی گنجائش ہی نہ رہے اور مامون ہونا یہ ہے کہ انسان میں امید اتنی بھر جائے کہ خوف کے لیے جگہ نہ رہے۔ ان احساسات کے اسیر لوگ اللہ کی ذات سے ناواقف ہوتے ہیں جو لامحالہ اللہ کی اطاعت ترک کر بیٹھتے ہیں اور گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے مایوس لوگ اطاعت ترک کر دیتے ہیں یہ سوچ کر کہ اس سے انہیں کوئی فائدہ تو ہونے والا نہیں۔ اور اللہ کی تدبیر سے خود کو مامون اور مبرّا سمجھنے والے گناہوں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں یہ سوچ کر کہ ان سے انہیں کوئی ضرر تو پہنچنے والا نہیں۔ ہم شقاوت اور بُری قسمت سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

لایعنی اور گمراہ کن امیدوں سے بھی خبردار رہو مثلاً تم میں کچھ فریب خوردہ لوگ (بلاسیاق وسباق) ایسی باتوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں کہ:

إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا

ترجمہ: بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔(۳۹:۵۳)

اور یہ کہ اُسے ہماری اور ہمارے اعمال کی کوئی ضرورت نہیں، اس کے خزانے خیر سے بھرے ہوئے ہیں اور اس کی رحمت ہر شے کو محیط ہے اور ایسی باتوں کی آڑ میں وہ گناہ کے کام کرنے لگتے ہیں اور نیک اعمال کو ترک کر دیتے ہیں گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں کہ اطاعتِ الٰہی سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا اور گناہ ہمیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے (نعوذ باللہ)۔ یہ بہتانِ عظیم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ
وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ

ترجمہ: جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے اسے دیکھے گا، اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے اسے دیکھے گا۔(۸،۷:۹۹)

اور اس کا ارشاد یہ بھی ہے:

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى

ترجمہ: اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں تاکہ برائی کرنے والوں کو ان کے کیے کا بدلہ دے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے۔(۳۱:۵۳)

اس حوالے سے حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''سمجھدار شخص وہ ہے جو اپنے نفس کو قصور وار ٹھہراتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لیے محنت اور عمل کرتا ہے اور ناسمجھ وہ ہے جو اپنے نفس (خواہشات) کی پیروی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے جا امیدیں وابستہ کرتا ہے۔''

ایسے احمقوں سے اگر تم کہو کہ کسبِ معاش کو بھی ترک کر دو، اللہ تعالیٰ تمہیں رزق فراہم کر دے گا تو وہ تمہارا تمسخر اُڑائیں گے اور کہیں گے ہم نے طلب اور محنت کے بغیر کبھی کچھ ملتے نہیں دیکھا۔ کچھ یہ کہتے ملیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں ان کا حصہ مقرر کر رکھا ہے اور یہاں وہ ان کی کفالت کرے گا مگر آخرت میں نہیں۔ یہ بات حقیقت کا اُلٹ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: 'بعض لوگوں کو مغفرت کی امید نے دھوکے میں رکھا حتّٰی کہ وہ دنیا سے مفلس (خالی ہاتھ) ہی چلے گئے' یعنی کوئی نیکی ساتھ لیے بغیر۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مومن حسنِ عمل کو خشیتِ الٰہی سے منسلک کرتا ہے اور منافق بُرے اعمال کو سلامتی کی امید کے ساتھ جوڑتا ہے یعنی مومن خوفِ الٰہی کے ساتھ بیدار ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ اپنا دن تمام کرتا ہے، وہ (نیک) اعمال کرتا ہے پھر بھی کہتا ہے جانے نجات پاؤں گا یا نہیں۔ جبکہ منافق نیک اعمال ترک کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہی ہیں میں بھی بخشا ہی جاؤں گا۔ حالانکہ انبیا اور اولیا کمال معرفتِ الٰہی اور بہترین حُسنِ ظن، بے مثل اعمالِ صالحہ اور خطاؤں سے پاکی اور حفاظت کے باوجود اللہ سے ڈرتے رہتے تھے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ

ترجمہ: یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہی کی راہ چلو۔ (۶:۹۰)